Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

داغ دہلوی کی شاعری: نرگسیت اور انانیت پسندی کے تناظر میں

ساجد اقبال
سکالر پی ایچ ڈی (اردو)
انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد
کامران عباس کاظمی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

Egoism and narcism are both psychological terms. Both of these aspects are present in human psychology in one way are the other. Circumstances and environments cause them to be lacking or excessive. Both of those psychological aspects are frequently expressed in poetry. Dagh Dehlvi's poetry in the late half of the nineteenth century is one in which the ratio of egoism and narcism is very high. There are many reasons for this .Egoistic, narcissistic expression have created a passionate self expression and individuality in Dagh's poetry. Dagh has shown great devotion to arrogance and splendour. To him bow and humble one self is a great sin. In this context thier concepts of love and concepts of life grow.

کلیدی الفاظ: انانیت، نرگسیت، نفسیات، داغ، عجز، انفرادیت

کائنات میں انسان کو ہمیشہ عدم تکمیل اور تشخص کے بحران کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔ انفرادی پہچان کو حاصل کرنے اور اپنے اثبات کے لیے وہ کارزارِ زیست کے ہر میدان میں اپنے لیے سخت ترین حالات کو مقابل پاتا ہے۔ ہر قسم کے حالات سے نمٹنے با اختیار ہونے اور چھا جانے کی تمنا انسان میں فطری طور پر موجود رہی ہے۔ اسے ناموری سے دلی رغبت ہے۔ عہدے اور اقتدار کی تمنا نیز برتر ہونے کا تصور اسے مہمیز لگاتا آیا ہے۔ کائنات سے تلخ حقائق کا سامنا برتری کے لاشعوری احساس کے بغیر ناممکن ہے۔ برتری کے اس لاشعوری احساس کو فرائیڈ نے انا (Ego) کا نام دیا ہے جو ایک کامیاب اور متحرک زندگی کے لیے ضروری ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"برتری کی خواہش اور مقصدِ حیات کے لیے انسانی سعی کو اگر اس کے وسیع مفہوم میں لیں تو یہ نطشے کے نظریہ اقتدار سے جا ملتی ہے۔ برتری کی یہ خواہش گو نیوراتیت کی صورت میں تخریبی رنگ بھی اختیار کر لیتی ہے لیکن باعتبار نوعیت یہ تخریبی نہیں بلکہ انسانی شخصیت کے لیے ایک مرکزی نقطہ کی حیثیت رکھتی ہے یہ اس کے لیے شعاعِ امید بن جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ زیست کی اندھیری راہوں پر ٹھوکر کھانے سے بچ جاتا ہے۔"(۱)

انانیت پسندی کی فکری توجیہ کے ضمن میں نطشے کا نظریہ برتری و اقتدار بہت فکر انگیز ہے۔ نطشے خدا کا اس لیے انکار کر دیتا ہے کہ وہ خدا خود کیوں نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب اس نے اپنی سوانح عمری لکھنا شروع کی تو خود نمائی اور انانیتی اظہار انتہائی مجنونانہ طور سے پوری سوانح عمری میں بکھر کر رہ گیا۔ "میں اس قدر بڑا دانش مند کیوں کر ہوں؟ میں اس درجے کا عظیم مصنف کیسے بنا ہوں؟" اس طرح کا اسلوب جس میں برتر ہونے کا خیال نمایاں ہے سوانح عمری میں کئی مقامات پر زور شور دکھلاتا ہے۔

نطشے نے ہمیشہ عجز کی مخالفت کی اور مسیحی اخلاقیات کو پُر زور طنز کا نشانہ بنا کر رد کیا۔ برٹرینڈ رسل کے مطابق:

"یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیحی اخلاقیات کی ایک قسم ایسی ہے جس پر نطشے کے اعتراضات کا صحیح اطلاق ہو سکتا ہے۔ پاسکل اور دوستوِسکی۔۔۔ اس کی اپنی مثالیں۔۔۔ دونوں کے اخلاق میں کچھ حقیر پہلو ہیں۔ پاسکل نے اپنی شاندار ریاضی کی ذہانت خدا پر قربان کر دی جس سے اس نے اس سے ایسی بات منسوب کر دی جو پاسکل کی مریضانہ ذہنی اذیت کی کائناتی توسیع تھی۔ دوستوِسکی کو موزوں فخر (Proper Pride) سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اس لیے گناہ کرتا تا کہ اعتراف کی لذت سے لطف اندوز ہو سکے۔۔۔ لیکن میں یہ تسلیم کروں گا کہ مجھے نطشے کی اس بات سے اتفاق ہے کہ دوستوِسکی کی پژمردگی قابلِ نفرت ہے۔ میں اس سے متفق ہوں کہ ایک خاص دیانت اور فخر اور ایک قسم کی خود ادعائی بھی ایک بہترین سیرت کے عناصر ہوتے ہیں۔"(۲)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

برتر ہونے کا خود ساختہ احساس زندگی بے مائیگی اور بے چارگی سے نبرد آزما ہونے اور اپنی ذات پر شد و مد سے بھروسہ پیدا کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔یوں ایک فرد کا جذب دروں بڑی اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔اقدار و روایات کے کَ تانے بانے میں الجھا ہوا فرد جب خود کو تلاش نہیں کر پاتا تو اپنی انفرادیت کو ثابت کرنے کے لیے انانیت کو اختیار کر لیتا ہے۔

انا کی تفسیر و تشکیل عام طور پر نظم وضبط کے دائرے میں ہوتی ہے لیکن جبلی خواہشات انسان کو ہر لحہ اخلاقی ضوابط سے ماورا ہو کر استدلال کو پس پشت ڈالنے کی تحریک دلاتی رہتی ہیں۔مسرت اور آسودگی کو حاصل کرنے کے لیے حیوانی خواہشات انتہائی بیہمانہ انداز میں انسان کی انا کو اکساتی ہیں۔ان حیوانی خواہشات کے مدمقابل انسانی فوق الانا ہے۔فوق الانا پر اخلاقیات کا سکہ چلتا ہے۔یہ دبائو کی قوت گویا انسانی ضمیر ہے جو ہمیشہ انا کو طعن و ملامت کرتا۔غلط راہ پر چلنے کے نقصانات کا شعور پیدا کرنا اور اخلاقی حدود و قیود کا احساس دلانا اس کا اساسی فریضہ ہے۔

"(فوق الانا)اور انا کا تعلق بہت گہرا ہے۔گویا یہ انا سے بنتی ہے مگر یہ انا کے ہر فعل کا حساب کتاب رکھتی ہے اور جانچ پڑتال کرتی رہتی ہے یہ گویا آڈٹ آفس ہے اس اید کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے اور انا کی نسبت اس کا بہت کم حصہ شعور میں آ سکتا ہے۔اس لیے یہ انا کی پہنچ سے باہر رہتی ہے۔اس کا سب سے اہم فریضہ اخلاقی ناقد کا ہے۔یہ اپنی ہر قوت کی شدید تنقید سے انا میں احساس جرم ابھارتی رہتی ہے۔"(۳)

عظمت اور برتری کا احساس کمتری کے احساس سے جنم لیتا ہے۔کم تر ہونے کا احساس بھی کوئی بُری شے نہیں بلکہ آگے بڑھنے اور جدوجہد حیات کی کلید ہے۔پسے ہوئے طبقات، غربت کا شکار معاشرے، مظلومی کی زندگی بسر کرنے والے افراد سب ہی کمتری کا شدید احساس رکھتے ہیں۔احساس کمتری کا یہ شعور انھیں اعلیٰ مقام و مرتبے کے حصول کی جدوجہد کے لیے تیار کرتا ہے۔بڑا بننے کے لیے بڑا ہونے کا احساس بھی ضروری ہے۔عظمت کا احساس انسانی اظہار میں جذبہ مقاومت فتح و کامرانی، بے پایاں تحرک پذیری اور دوسروں کو کم تر اور معمولی سمجھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔احساس کی ان حدود کا دائرہ انفرادی سطوح سے لے کر تہذیب و تمدن اور ملک و ملل تک پھیلا ہوا ہے۔ہر فتح مند تہذیب انانیت کے شعور میں لتھڑی ہوتی ہے جو تمام شعبہ ہائے حیات میں اس احساس کو رواں رکھتی ہے کہ ہمارے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا۔عقل و دانش کا جو سرمایہ ہمارے حصے میں آیا ہے اس کے آگے کسی دوسری تہذیب کی کوئی اوقات نہیں۔مغلوب و محکوم تہذیب کو غالب تہذیب کا احساس برتری کبھی پسند نہیں آتا یوں اپنے آپ کو منوانے اور اپنی تہذیبی برتری کو ثابت کرنے کے لیے مغلوب جدوجہد کا استعارہ بن جاتے ہیں۔

علم و ادب کی دنیا میں تخلیقی انا ذاتی اور انفرادی شناخت کے لیے سرگرم ہوتی ہے۔حتیٰ کہ تخلیق جو خود مہابیانیہ بن کر سامنے آتی ہے۔اپنی انفرادیت کو ثابت کرنے کے لیے شاعر اپنی تخلیق میں تمثیل و تجسیم کی دنیا آباد کرتا ہے۔استعارات کے کمالات دکھا کر داد و تحسین سمیٹتا ہے۔شاعری تو خاص طور پر آمریت کا پرتو ہے۔جس میں ایک شخص اپنی انفرادیت کا سکہ بٹھاتا ہے۔اپنی ذات کی پہچان کرواتا ہے۔شاعر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شاعری سے انقلاب نہیں آنے والا لیکن کیونکہ اس کا انا معاشرے کے انا سے متصادم اس لیے وہ اپنی ناموری اور اثبات کے لیے کبھی قلم کو روک نہیں پاتا۔

انانیت پسندی بعض اوقات دکھ، غم اور تکلیف میں بھی برتری کے پہلو تلاش کر لیتی ہے۔نیوراتی انسانوں میں خاص طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ کسی ناکامی کا داغ شدید ہوا تو انھوں نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ دیکھو ہمیں ہیں جو اس تکلیف میں بھی زندہ ہیں کون ہے جو ہم جیسے صدمات اس جہاں میں برداشت کر سکتا ہے۔

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دکھ اور تکلیف محسوس نہیں کرتا۔۔۔وہ یہ سب کچھ نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ ان کی بنیاد پر وہ سچ مچ پریشان بھی رہتا ہے لیکن اس کے لیے شکست اور ناکامی کا خوف اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اس جسمانی اور ذہنی اذیت کو اس پر ترجیح دیتا ہے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس دکھ اور تکلیف میں ہی پہلوئے برتری نکال کر اس سے لطف اندوزی شروع کر دیتا ہے اور بقول غالب حالت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ جو نہی زخم اچھا ہوا تو اس نے کھجا کر اسے پھر زخم میں تبدیل کر دیا۔"(۴)

کوئی بھی انسانی شخصیت ماحول کے اثرات سے نہیں بچ سکتی بلکہ شخصیت ماحول کے زیر اثر تعمیر و تشکیل کی منازل طے کرتی ہے۔انسان جب شعوری زندگی کا آغاز کرتا ہے تو کچھ پسندیدہ تصورات جو عام طور پر سماج کے بھی پسندیدہ تصورات ہوتے ہیں اس کے لیے آئیڈیل بنا کر پیش کیے جاتے ہیں۔مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی ادارے ان پسندیدہ تصورات کو قبول عام بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اخلاقی طور پر ان تصورات کو بے عیب اور علویت کا حامل سمجھا جاتا ہے لیکن حقائق کی دنیا کیونکہ مثالیت سے بہت مختلف ہوتی ہے۔قدم قدم پر بے اصولی، بے اعتدالی اور بے راہ روی کا بازار گرم ہوتا ہے لہٰذا

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

انسانی شخصیت جس نے ان پسندیدہ تصورات کو اپنا آئیڈیل بنار کھا ہوتا ہے بکھر کر رہ جاتی ہے۔انسان کشمکش میں مبتلا ہو کر شخصیت کی دیواروں کو گرتا محسوس کرتا ہے۔حقیقت اور انا کا یہ ٹکراؤ شخصیت کے توڑ پھوڑ کا سبب بنتا ہے۔انا جو اب تک ایک ضابطے اور تنظیم کے دائرے میں شخصیت کی تابناکی کا سبب بن رہی تھی جبلت کے زیر اثر آ کر مجادلے اور تخریبی رجحانات کو پسند کرنے لگتی ہے۔بقول سلیم احمد:

"ہم آپ زندگی میں ایسے بہت سے لوگوں سے ملتے ہیں۔جو جس خوبی کے مدعی ہوتے ہیں ان کا ہر عمل اس کے خلاف ہوتا ہے اور جس چیز کا پرچار سب سے زیادہ کرتے ہیں اس کی خلاف ورزی بکثرت کرتے ہیں۔یہ وہی بچے ہیں جن کا انا اور اصول حقیقت کے ٹکراؤ میں ان کی شخصیت دو نیم ہو گئی۔"(۵)

حقیقت میں جبلی میلانات کی تسکین کی خاطر انا شخصیت کا مستقل جزو بن جاتی ہے۔بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو انا کم ترین درجے پر ہوتا ہے لیکن حسی اعضا اور عضویاتی نموکی ترقی کے ساتھ ساتھ جذبہ ٔ انانیت بھی ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔حالات کی شدید پیچیدگی اور کشمکش سے نکلنے کا جب کوئی راستہ نظر نہ آئے تو مریضانہ انانیت اور نرگسیت کا اسیر ہو کر کوئی بھی فرد تعلقات دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔اہل دنیا کے بارے اس کا بغض وعناد بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ ذات کے خول میں مقید ہو کر خلوت گزینی کو ترجیح دینے لگتا ہے۔اس قسم کے رجحانات دماغی خلل اور نرگسیت کی واضح علامات کو ظاہر کرتے ہیں۔

انانیت کے بر خلاف نرگسیت ایک جنسی اصطلاح ہے جو ایسی شخصیت کے لیے وضع کی گئی ہے جو اپنے جسم کے ساتھ جنسی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو چمکارنے،دیکھنے،پیار کرنے اور پسند کرنے میں لذت جنسی محسوس کرے۔

"نرگسیت کے رجحان کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے والہانہ محبت ہو اور وہ اپنی عظمت کے بارے میں غلط اندازہ کرے۔فرائیڈ کا قول ہے کہ ہم جس سے والہانہ محبت کرتے ہیں اس کی خامیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اس کی خوبیوں کی تعریف مبالغہ آمیز طریقہ پر کرتے ہیں۔یہ اصول موضوعہ جنسی قوت کے مطابق ہے اس بنیاد پر ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ خود غرضی اور اپنی ذات سے محبت کے مظاہرہ کا ایک انداز ہے۔یہیں سے اپنی عزت کا خیال اور نصب العین کا تصور ابھرتا ہے جس میں جنسی پہلو شامل نہیں ہوتا۔"(۶)

سلام سندیلوی نے انانیت کو خود غرضی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ان کے نزدیک انانیت اور نرگسیت میں واضح فرق موجود ہے۔

"یہ حقیقت ہے کہ خود غرضی (Egoism) اور نرگسیت (Narcism) کے رجحان میں فرق ہے۔کولمبیا انسائیکلوپیڈیا کے مولف نے خود غرضی کو ایثار (Altruism) کے متضاد قرار دیا ہے۔خود غرضی کا مقصد صرف ذاتی مفاد ہوتا ہے مگر ایثار کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات سے الگ ہٹ کر دوسروں کی بہبودی کی کوشش کی جائے۔خود غرضی انانیت پسندوں (Utilitarians) نے بھی اپنی مقصد براری کے لیے استعمال کیا ہے۔نطشے کا یہ نظریہ بھی کسی نہ کسی حد تک اسی اصول پر مبنی ہے جس کا قول ہے کہ ایثار بزدلی کی علامت ہے۔اگرچہ اس اصطلاح کا تعلق ابتدائی دور کے یونانی لذت پسندوں اور دور جدید کے افادیت پسندوں سے رہا ہے مگر اس کا تعلق وجدانیت (Intuitionalism) سے بھی ہے جس کا اصول فطری طور پر خود غرضی پر مبنی ہے۔(۷)

فرائیڈ کا خیال ہے کہ نرگسیت اک تعلق جنسی جبلت سے ہے اور ایسے رجحانات جو نرگسی کہلا سکتے ہیں اس کے حیاتیاتی دور سے جڑے ہوتے ہیں مگر کیرن ہارنی کے نزدیک نرگسیت کی ماہیت تہذیبی ہوتی ہے۔ہماری تہذیبی حیثیت میں ڈر،وہم،خوف وعناد وغیرہ اس حد تک غالب ہوتے ہیں کہ فرد کو سماج اور سماجی اقدار سے یوں برگشتہ کرتے ہیں کہ وہ خلوت گزینی کو عین حیات سمجھ کر گلے لگا لیتا ہے۔

نرگسی انسان معاشرے کے لیے عموماً غیر فعال ہوتا ہے۔وہ اپنی ذات کی خوبیوں کو مبالغہ آمیز انداز میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ جس سے کسی کا بھلا نہیں ہو سکتا۔خود غرضی ان کا خاصہ ہوتی ہے۔عام طور پر ایسے انسانوں کا وجود معاشرے کے لیے ضرر رساں نہیں ہوتا۔

نرگسیت کے کچھ رجحانات معاشرے کے لیے قابل اعتراض بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ بعض نرگسی دوسروں پر ظلم و زیادتی کر کے جنسی لذت حاصل کرتے ہیں۔بعض عضو تناسل کی نمائش کر کے حظ اٹھاتے ہیں جبکہ کچھ عریانیت کے رسیا ہوتے ہیں۔نرگسیت کی بعض صورتیں فائدہ مند بھی ہوتی ہیں۔بعض نرگس غم و دنیا سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ماضی کی پناہ گاہوں میں حصار بند رہنا پسند کرتے ہیں بچپن کے حسین واقعات انھیں دلفریب لگتے ہیں۔یہ دلفریبی ان کے لیے طمانیت کا باعث ہوتی ہے۔نرگسی انسان خواہشات کی عدم تکمیل سے دوچار رہتا ہے لہٰذا ضبط کی ایک عادت اس کے ہاں فروغ پاتی ہے۔

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جس طرح تخلیقی انا تخلیقیت کا سبب بنتی ہے اسی طرح نرگسیت کا تخلیق ادب کے سلسلہ میں نمایاں کردار رہا ہے۔ تخلیق کے لیے جس یکسوئی، ارتکاز اور ذہنی غوروفکر کی ضرورت ہوتی ہے وہ نرگسی شعرا و ادبا کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اپنے داخل اور نفس کی بے کراں وسعتوں کی حامل دنیا میں اتر کر وہ علم و ادب میں زندہ رہ جانے والے فن پارے تخلیق کر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول:

"نرگسیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ فرد کا لبیڈو اپنی انا پر مرکوز ہو کر اپنی ہی ذات میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ خود پرستی اسے اپنی ذات کا عاشق بنا دیتی ہے۔ یوں فرد دیوانہ وار اپنا ہی عاشق بن کر اور اپنے نفس کو آئینہ بنا کر اس میں اپنے جلوہ سے محظوظ ہوتا رہتا ہے۔ اپنی اعلیٰ اور ارتقاع یافتہ صورت میں اس کے زیر اثر فن و ادب کے لازوال شاہکار تخلیق کیے جاتے ہیں۔ (۸)

اردو شاعری میں نرگسی اور اناتی اظہار ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے لیکن اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا نرگسی اظہار کرنے والے شاعر خود بھی نرگسیت کی بیماری کا شکار ہے یا نہیں جو شاعر انانیت پسندی کا واشگاف اظہار کرتا ہے تو کیا اس کی انا اور خود ادعائی اس کی ذاتی صفات ہیں یا محض شاعرانہ اظہار! ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ شعرا کی ذاتی شخصیت اور شاعرانہ خیالات میں بڑا تضاد ہوتا ہے۔ عام طور پر شاعر حضرات جو بات کرتے ہیں یا جس اچھائی کی ترغیب دیتے ہیں یا جن اچھی قدروں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ عملی طور پر ان کی ذات اور شخصیت میں دور دور تک نظر نہیں آتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعرانہ بیان خیالی، رسمی اور قیاسی ہوتا ہے۔ حالات اور ماحول بھی شاعر کے موڈ پر اثر انداز ہوتے ہیں یوں شاعرانہ بیان بدلتے رہتے ہیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی شاعر کو نرگسی انسان کہہ دینے میں دشواری پیش آسکتی ہے۔ اس کے باوجود ہم بہت سے شعرا کو نرگسی شاعر کے ساتھ نرگسی انسان بھی کہہ سکتے ہیں۔۔۔ ریاض خیر آبادی ایک حسین و جمیل انسان تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے بہت سے اشعار میں اپنے حسن و شباب کی تصویریں کھینچی ہیں۔ دراصل ان پر جذبۂ محبوبیت ہمیشہ حاوی رہا۔ اسی بنا پر ہم ان کو نرگسی شاعر کے علاوہ نرگسی انسان کا بھی لقب دے سکتے ہیں۔۔۔ عام طور پر اردو شعرا میں نرگسیت ایک مرض کی شکل میں بہت کم نظر آتی ہے۔"(۹)

نرگسیت اور انانیت پسندی کے تناظر میں مرزا خان داغؔ دہلوی کی غزل کے تجزیے کے لیے ہمیں داغؔ کے ماحول، مزاج، تربیت، مشاغل، زبان اور ان کے تصور حقیقت کو پرکھنا پڑے گا۔

داغؔ دہلوی کی والدہ وزیر بیگم المعروف چھوٹی بیگم نواب شمس الدین احمد خان والئی فیروز پور جھرکہ کی داشتہ تھیں۔ داغ کے والد نواب شمس الدین احمد خان کی غدر میں پھانسی کے بعد (اس وقت نواب مرزا داغ کی عمر ساڑھے چار سال تھی) وزیر بیگم ایک انگریز مارسٹن بلاک کی داشتہ بن کر رہیں اس تعلق کے اختتام کے بعد وہ تراب علی سے وابستہ ہو گئیں۔ اس تعلق کا بھی جب خاتمہ ہو گیا تو وہ نواب ضیاء الدین احمد خان نیر کی داشتہ بن گئیں اور آخر میں وہ ولیعہد مرزا فخرو کی منکوحہ بن کر لال قلعہ میں اٹھ آئیں۔ تذکرہ "سخن شعرا" میں نساخ نے داغ کے والد کو نامعلوم لکھا ہے:

"داغ تخلص، نواب مرزائے دہلوی ولد چھوٹی بیگم"(۱۰)

وزیر بیگم (چھوٹی بیگم) کی ایک بہن عمدہ خانم نواب یوسف علی خان سے وابستہ تھیں۔ نواب مرزا داغؔ پہلے اپنی خالہ عمدہ خانم کے ہمراہ دہلی میں سکونت پذیر رہے بعد میں نواب یوسف علی خان کے رام پور چلے جانے کے باعث داغ بھی وہیں چلے گئے۔ اس وقت داغؔ نو سال کے تھے۔

"چھوٹی بیگم علی عہد مرزا فخرو سے وابستہ ہو کر آئیں تو یہاں کا ماحول جس میں شعر و شاعری رقص و سرور اور مغلیہ تہذیب کے آداب اور طور طریقے کے اثرات اب بھی موجود تھے انھیں اتنا پسند آیا کہ نواب مرزا داغ کو بھی اپنے پاس بلا لیا تا کہ وہ بھی شہزادوں کی طرح تعلیم اور دوسرے فنون سیکھ کر اسی شاہی ماحول میں پائیں۔ جب داغ لال قلعہ آئے تو ان کی عمر تیرہ چودہ سال تھی۔"(۱۱)

لال قلعہ کے ماحول میں داغ نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ ذوق کی شاگردی اختیار کی۔ لال قلعہ میں منعقدہ مشاعروں میں انھوں نے اس عہد کے عظیم المرتبت شعرا (غالبؔ، مومنؔ، شیفتہؔ، بہادر شاہ ظفرؔ) کی آنکھیں دیکھیں۔ لال قلعہ میں منعقدہ ایک مشاعرے میں جب انھوں نے غالب کی غزل کی زمین میں یہ شعر کہا تو بہادر شاہ ظفر نے انھیں اپنے پاس بلا کر داد دی اور ماتھے پر بوسہ دیا۔

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر نکلی
کسی کا اس طرح یارب نہ دنیا میں بھرم نکلے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

داغؔ اپنی ماں اور خالہ کو داشتہ کے روپ میں دیکھ کر بڑے ہوئے یوں مختلف مردوں کی ان کے گھر آنگن میں آمد اور ان کے لیے وقتی باپ کی حیثیت اختیار کر لینے والے چھوٹی بیگم کے شوہروں نیز لال کی ہوشربا رنگ رلیوں اور ماحول نے ان کے ذہن پر بہت گہرے اثرات مرتسم کیے۔

"۱۹۵۶ء میں ولی عہد مرزا فخرو اچانک وفات پا گئے تو داغؔ کو بھی اپنی داشتہ ماں کے ساتھ لال قلعہ سے باہر آنا پڑا۔ اب ان کے وہ ٹھاٹ باٹ نہ رہے تھے جس کے وہ عادی ہو گئے تھے لیکن مزاج وہی رہا جو دس بارہ سال کی عمر میں بنا اور تیار ہوا تھا۔"(۱۲)

داغؔ کی غزل میں جنس اور جنسی معاملات میں گہری رغبت اور اس پر فخریہ انداز کی پیشکش کا سا انداز داغ کے بچپن سے جڑا ہوا ہے۔

انھوں نے عمدہ خانم اور اپنی ماں وزیر بیگم کو جس روپ میں دیکھا وہ لاشعور کے نہاں خانوں سے نکل کر بار بار شعور کی سطح پر آتا رہا۔ داغؔ کی شاعری معاملات جنسی کی کھلی ڈلی فضا کی وجہ سے بدنام ہے لیکن خود داغؔ نے اسے ایک برتر جذبہ سمجھا اور کبھی اس پر ندامت محسوس نہیں کی۔ جنسی معاملات میں ایسی انانیت اردو غزل میں بہت کم شعراء کے ہاں نظر آتی ہے۔ داغؔ کی غزل میں وہی طوائفیت ہے جو ان کے ماحول میں پائی جاتی ہے۔ اس ماحول میں یہ طوائفیت کوئی جرم نہیں کوئی داغ نہیں بلکہ قابل فخر ہے کہ یہ تہذیب کی علامت ہے اور تہذیب گری اس سے انتہائی والہانہ انداز میں وابستہ ہے۔

چاہت کا مزہ بعد ہمارے نہ ملے گا
ہر شخص سے تم آپ کہو گے ہمیں چاہو
کیا ملے گا کوئی حسین نہ کہیں
دل بہل جائے گا کہیں نہ کہیں
تو ہے ہر جائی تو اپنا بھی یہی طور سہی
تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی
ادھر جاؤں ادھر جاؤں کدھر جاؤں یہ حالت تھی
جب اپنے در پہ اس نے دیکھ پایا ناگہاں مجھ کو
وصل کے باب میں کی عرض تو وہ کہنے لگے
کیوں مرے جاتے ہو ہو جائے گا ہو جائے گا

داغ کی غزل جنسی جبلت سے مغلوب ہے۔ اس میں اعلیٰ قدروں کی تلاش اس دور کے انحطاط زدہ معاشرے میں قدروں کی تلاش جیسا ہے جو آخر میں جا کر بالکل بے سود ٹھہرتا ہے۔

"اس انحطاط زدہ معاشرے میں بلند اخلاقی سطح کا شعر کم و بیش غائب ہو چکا تھا۔ داغ کی بے باکی اور اونچی قدروں کی توہین اس کا نتیجہ ہے۔ بعض اہل ذوق کلام داغؔ سے لطف اندوز ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم اس میں اعلیٰ قدریں کیوں ڈھونڈیں جب کہ معلوم ہے کہ وہ موجود ہی نہیں ہیں۔"(۱۳)

داغ دہلوی کی غزل میں جنسی جذبے کی فراوانی ظاہر کرتی ہے کہ ان کے انا پر جنسی جبلت گھوڑے کی طرح سوار ہے اور اس کی لگام کو جس طرف چاہتی ہے موڑ رہی ہے۔ فوق الانا کا کردار بالکل معدوم ہے۔ فوق الانا انسانی انا میں خود احتسابی اور اخلاقی قدروں کا شعور پیدا کرتی ہے۔ ہر انسان میں اس کی احساسی شدت مختلف ہوتی ہے۔ داغؔ جس تہذیب کے پروردہ ہیں اور جس شاہانہ وقار کے سائے میں انھوں نے زندگی گزاری اس میں کھل کھیلنے اور لذتوں کو زیادہ سے زیادہ کشید کرنا ہی بڑے ہونے کا معیار تھا لہٰذا اس عظمت کو داغؔ بلا کسی جھجک اور رکاوٹ کے حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کا سر فخر سے بلند ہے کہ کوئی اس میدان میں ان کا ثانی نہیں۔ عورت ان کے ہاں ایک لگژری ہے جس سے لطف اندوز ہونا اصل مردانگی ہے۔ یوں ان کے ہاں انانیت جبلت کا چہرہ دکھاتی ہے۔

دیدہ و دل کی یوں ہی تسکین ہونی چاہیے
ایک دلبر ہو بغل میں ایک دلبر سامنے
داغ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ

بتوں کے بدلے جو حوریں ملیں تو لیں

ہمارے واسطے باغ ارم میں کچھ بھی نہیں

کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے

معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

اردو غزل میں عاشق ہمیشہ سے انفعالیت پسندی کا شکار ہے۔بڑائی اور عظمت کے تمام راستے محبوب کی گلی سے ہو کر نکلتے ہیں لیکن اس معاملے میں داغؔ نے اپنے آپ کو ایک ایسے سربلند عاشق کے روپ میں پیش کیا جو روایتی طور طریقوں سے بالکل بالا ہے۔اس عاشق کا انا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا یہ عاشق بھی ہے اور رئیس زادہ بھی۔

"داغ کی طبیعت میں غضب کا بانکپن اور زندگی میں قیامت کی چونچالی تھی۔زندگی کی لذتوں سے بحد طلب بہرہ اندوز ہوئے۔طبیعت کی ہی چونچالی، یہی بانکپن رندانہ بدمستیوں کی یہی لطیف چھیڑ چھاڑ کلام میں بکھری نظر آتی ہے۔"(۱۴)

تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہیں کرتے

عاشق بھی تو معشوق کا نوکر نہیں ہوتا

میں دنیا میں وضع دار حسین اور بھی تو ہیں

معشوق ایک نہیں ہے تو اور بھی تو ہیں

در پردہ تم جلاؤ، جلاؤں نہ میں چہ خوش

میرا بھی نام داغ ہے اگر تم حجاب ہو

رنجش مری بڑھ کر ہے تمھاری خفگی سے

میں جان سے بیزار ہوں تم خفا مجھ سے ہو

عشق و محبت کے معاملات میں داغ کی انانیت ایک متحرک انسان کی انانیت جو زندگی سے گریزاں بالکل بھی نہیں ہے۔ان کی انانیت زندگی سے لطف اندوز ہو کر، حظ اٹھا کر اور اپنے آپ کو منفرد اور بے پایاں ثابت کر کے تسکین حاصل کر لیتی ہے۔عشق و محبت کے کھیل میں ان کا تصور انا تپتی گلی سے نکل کر تسکین حاصل کر لینے والا نہیں بلکہ ڈٹ جانے اور فتح کر لینے والا ہے۔انھیں مفتوح ہونا قابل قبول نہیں۔ان کی رئیس زادگی ان سے بھرپور تقاضا کرتی ہے کہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے کسک کو دل میں لیے تڑپ تڑپ کر نہ مر اجائے۔

آج راہی جہاں سے داغ ہوا

خانۂ عشق بے چراغ ہوا

فسردہ دل کبھی نہ خلوت نہ انجمن میں رہے

بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

اے داغؔ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی

کوکھنچا کھنچے کوئی ہم سے ملا ملے

داغ دہلوی کی شخصیت اور شاعری جنسی لحاظ نرگسی نہیں بہت کم اشعار ایسے ہیں جن پر نرگسیت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔لیکن یہ نرگسی اشعار بھی داغؔ کی شخصیت کی نمائندگی نہیں کرتے۔داغؔ کھل کھیلنے والے عاشق اور دلچسپ جملوں سے مجلس کو لوٹ لینے والے انسان تھے۔وہ مشاعروں کی جان تھے ایسی شخصیت ہمیشہ خود نمائی کے جذبے سے سرشار اور انفرادیت کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔ویسے اپنی انفرادیت کو نمایاں کرتے رہنا ہر نارمل انسانی شخصیت کا خاصہ ہے لیکن داغ کی شخصیت شاعری میں یہ چیز وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔

"داغؔ کی شاعری اور شخصیت کا نمایاں پہلو انانیت پسندی کا ہے۔اس کی ایک وجہ ان کی خاندانی وجاہت وعظمت ہے۔ان کے والد نواب شمس الدین احمد خان فیروز پور جھرو کہ کے جاگیر دار تھے۔جب ان کی والدہ مرزا فخرو کے عقد میں آئیں تو وہ لال قلعہ میں اٹھ آئے یہاں پر ان کی تربیت شاہی ماحول

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میں ہوئی۔غدر کے بعد وہ رام پور میں نواب یوسف علی کے ہاں چلے گئے۔رام پور میں وہ نواب کلب علی کے مصاحب بھی رہے اور ان کی وفات تک یہ سلسلہ قائم رہا۔۱۸۰۳ء میں داغؔ حیدر آباد چلے گئے جہاں نظام دکن نے انھیں بلبل ہندوستان، جہاں استاد، دبیر الدولہ ناظم جنگ یار نواب فصیح الملک بہادر کے خطابات سے سرفراز کیا۔(۱۵)

خاندانی برتری کے اس احساس نے داغؔ میں انانیتی شعور پیدا کیا۔وہ تمام عمر اپنی قدر و منزلت اور عزت افزائی پر نازاں رہے۔بقول رام بابو سکسینہ:

"کسی اردو شاعر کی کسی رئیس کے دربار میں نہ اس قدر عزت اور قدرومنزلت کی گئی اور نہ اتنی بیش قرار تنخواہ کبھی کسی کو ملی ہوگی۔"(۱۶)

اپنے ایک خط میں وہ اپنی عزت اور شان و مقام کے متعلق لکھتے ہیں:

"سب کچھ خدا نے دیا ہے۔کسی پردیسی کی ایسی عزت اس دربار میں نہیں۔"(۱۷)

اپنی اس جاہ و حشمت،شان و شوکت اور بلند مرتبے کو وہ بار بار سراہتے ہیں یہ احساس برتری ان کے ہاں مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے۔

دبائو کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں
رئیس زادہ داغؔ آپ کا غلام نہیں

مجھ سے گنہگار کو کیا کیا عطا کیا
اے داغؔ کیا ہی شان ہے پروردگار کی

داغؔ کو اپنی زبان دانی اور سخنوری پر بڑا ناز تھا۔تمام ہندوستان سے ان کے شاگردان اصلاح کلام کے لیے اپنا کلام ان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ انھوں نے خود ذوقؔ جیسے بلند پایہ استاد کی شاگردی سے فیض پایا۔بادشاہ وقت بہادر شاہ ظفر سے داد و تحسین وصول کی۔غالب اور مصطفیٰ خان شیفتہ کے روبرو مشاعروں میں اپنا کلام پڑھا تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر فخر نہ کریں اور اپنی عظمت کے گن نہ گائیں۔انھیں اپنی استادی اور شاعرانہ رتبے کا شدید احساس تھا۔داغؔ کی شاعرانہ تعلّی نرگسیت سے لبریز ہے۔اس میں انتہا درجے کی خود پسندی اور خود نمائی ہے وہ اپنے شاعرانہ فنی کمالات کے آئینے میں محض اپنی ہی تصویر دیکھنے کے عادی ہیں۔

اللہ تری شوخ بیانی اے داغؔ
ست اک شعر دیکھا ترے دیواں میں کبھی

داغؔ ہی کے دم سے تھا لطف سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضموں
طرز اپنا ہے جدا، سب سے جدا کہتے ہیں

مطلب کی چھیڑ ان سے پنہاں سخن
سچ یہ کہ داغؔ پُر فن، یکتا ہے اپنے فن میں

داغؔ زبان اردو کے مسلم الثبوت استاد تھے۔وہ ایک مخصوص فضا میں پلے بڑھے۔اس تہذیب کا ہر رنگ ان کے انگ انگ میں سمایا ہوا تھا۔ اردو زبان اس تہذیبی رنگ کی پہچان اور ترجمان تھی۔مرزا داغ اردو کو ایک تہذیب سمجھ کر اس سے اپنی عظمت وابستہ کر لیتے ہیں۔گو لال قلعہ کی عظمت اب شعلے کی آخری بھڑک کی طرح تھی لیکن داغ کے پاس اپنی تہذیبی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے اردو ایک بیش بہا ہتھیار کی طرح موجود رہی۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغؔ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں داغ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

داغ کی شاعری میں سادیت پسندی کے عناصر بھی موجود ہیں سادیت ایک جنسی اصطلاح ہے سادیت پسند جنسی فریق کو اذیت دے کر طمانیت اور لذت محسوس کرتا ہے۔ داغ کے ہاں سادیت نرگسی رد عمل کی ایک صورت ہے۔ یہ نرگسیت بھی اسی ماحول کی پیداوار ہے جس میں داغ کی زندگی کے شب و روز گزر رہے تھے۔ انگریز کے ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد اس ماحول میں تشدد ہندوستانیوں کے لاشعور کا حصہ بن گیا اور ان کے اذہان میں بدلہ لینے کی خواہش اور تکلیف دینے کی جبلت منہ زور ہوتی چلی گئی۔ اس دور میں ہندوستانی عوام کے اندر خصوصی طور پر اور شعرا میں عمومی طور پر سادیت کا رجحان پیدا ہوا۔ تکلیف دے کر لذت یاب ہونے کی خواہش اب محض جنسی نہ رہی تھی بلکہ اس جبلت نے مختلف روپ اختیار کر لیے تھے۔ داغ کی شاعری میں سادیت متنوع اسلوب میں ظاہر ہوتی ہے بعض اوقات یہ سادیت، مساکیت کی خواہش میں ڈھل جاتی ہے۔ اور مساکیت سادیت کا روپ اختیار کر لیتی ہے

اک نہ اک ہم لگائے رکھتے ہیں
تم نہ ہوتے تو دوسرا ہوتا
آئیں تھم تھم کے مرے دل کو جراحت کے مزے
تیغ بے آب ذرا کند کٹاری رکھنا

زاویۂ فکر کے لحاظ سے داغؔ روایتی شاعر ہیں لیکن اسلوب بیان میں روایتی ملائمت کی بجائے بلند آہنگی کے قائل ہیں۔ وہ عام سے معمولی اور فرسودہ خیال کو اتنے پُرزور انداز میں پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اونچے استھان پر بیٹھے مہاتما ہیں جو کسی قیامت سے خوفزدہ نہیں بلکہ قیامت اس سے بھاگتی ہے۔ انانیتی اظہار سے بھرپور اسلوب کو انھوں نے بڑی خوب صورتی سے برتا ہے۔

تمھاری چال کی ہم مٹنے والے داد کیا دیں گے
قیامت سے ذرا پوچھو میری رفتار کیسی ہے
چل کے دو چار قدم آگ لگا دی کس نے
تلملاتی ہوئی پھرتی ہے قیامت کیسی

داغ دہلوی کے ہاں طنز کی کیفیت دوہری ہے۔ ان میں ایک طنز دوسروں پر ہنسنے کی کیفیت جیسا ہے۔ اس طرح کے طنز میں تخت نشینی کا زعم ہے جس میں جذبہ اصلاح کم اور تمسخر زیادہ ہے۔ یہ انانیت سے بھرپور طنز ہے۔ یہ انا سے لبریز ہے۔ جس میں دوسروں کو زیر کرنے اور خاص طور پر حریف کو شکست سے دوچار کرنے کا مقصد پایا جاتا ہے اس طنز نے حریف کی کمتری اور اپنی برتری کے احساس سے جنم لیا ہے۔

آدمی ایسا کہاں کوئی فرشتہ ہو تو ہو
شیخ صاحب! یہ نہیں معلوم تم کس پر گئے
ہے ہی تولیں گے گنہگاروں کے ہوتے زاہد
یہ تو دوزخ کے بھی قائل نہیں جنت کیسی
کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

داغؔ کی غزل میں طنز کا دوسرا رخ نرمی اور اصلاحی جذبے کا حامل ہے۔ یہ طنز انا کے حصار سے نکل کر غیر انا کے پہلو میں اپنی جگہ تلاش کر لیتا ہے۔ یہ طنز شفایابی اور شگفتگی کی مہک کا مژدہ سنا کر سوچ بچار پر مجبور کر دیتا ہے۔

”(وہ) طنز کو صرف عاشق و معشوق کے معاملات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ زندگی کے اور پہلوؤں پر بھی پھیلا دیتے ہیں جب وہ اپنے معاشرے کے انسان کے قول و فعل کے تضاد پر طنز کرتے ہیں تو وہ دنیا کی اس پیچیدگی کو سامنے لاتے ہیں جہاں انسان کرتا کچھ ہے اور دکھاتا کچھ اور ہے۔“(۱۸)

دل بیمار میں چٹکی لے لو
ابھی آرام ہوا جاتا ہے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ذکر مہر و وفا تو ہم کرتے ہیں
پر تمھیں شرمسار کون کرے

داغؔ نے پژمردگی کو کبھی قبول نہیں کیا۔ حوادث زمانہ کے الٹ پلٹ سے متاثر ہونے والی انسانی آرزوؤں کو انھوں نے عزم اور حوصلے سے آشنا کیا۔ عصری متقضیات کتنی ہی گھمبیر کیوں نہ ہوں دامن داغ سے ٹکرا کر نئے ذائقوں اور تجربوں سے بہرہ مند ہو جاتی ہیں۔ داغ معاشرتی طور پر اپنے آپ کو بلند تر سمجھتے ہیں۔ پُر خطر راستوں سے گزر کر اپنے آپ کو منوانا ان کے انا کے لیے تسکین کا باعث ہے۔

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

داغؔ کی شاعری میں نرگسیت سے زیادہ انانیت پائی جاتی ہے۔ ایک خاص قسم کا کبر و فخر ان کے لہجے سے جھلکتا ہے۔ وہ کسی کمزوری کے عیاں ہونے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں لہٰذا خود نمائی اور بڑائی کی کچھ حقیقی اور کچھ خود ساختہ تصویریں ان کی شاعری میں کثرت سے نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر ڈاکٹر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۹۹
۲۔ برٹرینڈ رسل، فلسفہ مغرب کی تاریخ، مترجم: پروفیسر محمد بشیر، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۹ء، ص ۸۷۲
۳۔ سلیم اختر ڈاکٹر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۶۶
۴۔ ایضاً، ص ۲۱۸
۵۔ سلیم احمد، غالب کون، کراچی، مکتبہ المشرق، ۱۹۷۱ء، ص ۲۰
۶۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں نرگسیت، لکھنو، نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۳ء، ص ۳۲
۷۔ ایضاً، ص ۳۱
۸۔ سلیم اختر ڈاکٹر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۸۳
۹۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں نرگسیت، لکھنو، نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۳ء، ص ۱۶-۱۷
۱۰۔ عبدالغفور نساخ، سخن شعرا، مطبع نول کشور، ۱۸۷۴ء، ص ۱۵۷
۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۸۱
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۸۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۵۱۰
۱۴۔ نسیم قریشی، اردو ادب کی تاریخ، جے پور، مسکین بک ڈپو، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۴
۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۸۵
۱۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، لکھنؤ، مطبع منشی تیج کمار، ۲۰۰۰ء، ص ۳۶۸
۱۷۔ نواب مرزا داغ، انشائے داغ، مرتبہ: احسن مارہروی، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۱ء، ص ۱۰۷
۱۸۔ جمیل جالبی۔ ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲، ص ۱۵۱۶

ماٰخذ

۱۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲
۲۔ ساجدہ زیدی، شخصیت کے نظریات، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۱۹۹۹
۳۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں نرگسیت، لکھنو، نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۳
۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تین بڑے نفسیات دان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶
۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹
۶۔ عاصمہ راو اصغر، جدید اردو غزل میں نرگسیت، لاہور، اظہار سنز، ۲۰۲۰